Vol.5 No.1 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

فیصل آباد میں افسانہ نگاری کی روایت

TRADITION OF FICTION WRITING IN FAISALABAD

اظہار احمد گلزار

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو،

لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر محمد اعجاز تبسم

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو،

لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Faisalabad is an Industrial city. It has a literary background too. Its Literary status in the country has been recognized as a Literary center where all geners of Literature are progressing . They include Naat Sharif, Ghazal, Fiction , Drama and Travelogue. The writers of Faisalabad have made their own identity in the Literary circles of the Country. The tradition of Urdu Short story writing is very strong and established in Faisalabad. So many short story and fiction writers of Faisalabad have got world repute and international fame. The short stories written at Faisalabad have a strong social, economic and cultural background. They represent every day life . The readers got literary and spiritual enlightenment . These short stories are not only introvert but also extrovert. They show the self assesment and self evaluation. The people who read these short stories take themselves in to account and develop their personality. These short stories help us in making better understanding of life.

فیصل آباد کے افسانہ نگاروں نے زندگی کے تمام موسموں کا احوال اپنے افسانوں میں شامل کر کے اس صنفِ ادب کی مقبولیت میں اس قدر اضافہ کر دیا ہے کہ فیصل آباد کے افسانوی ادب کو ایک معیاری افسانوی ادب کہا جاتا ہے۔ یہاں کے افسانہ نگار اپنی چشمِ پُرنم میں وفا اور جفا کی یادیں سموئے، جنس و جنوں کا کرب سنبھالے، ہجر و وصال کے رنگ سمیٹے، اپنی پتھرائی آنکھوں سے دلِ بے قرار کے افسانے لکھنے کے لیے بیتاب ہیں۔ فیصل آباد کے جدید افسانہ نگاروں میں بھی شدید ردعمل اس وقت ہوا جب ترقی پسند تحریک کے دوران بے رحم حقیقت نگاری اور مقصدیت کو مبالغہ آمیزی کی حد تک شامل کر دیا گیا، جدید افسانہ نگاروں نے ادب میں اس کلیہ پرستی، نعرے بازی اور ادب کو سیاسی حربے کے طور پر استعمال کرنے کی کھل کر مخالفت کی۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں اردو افسانہ نے موضوع اور رجحان کے اعتبار سے ایک بڑی کروٹ لی، درحقیقت اس تبدیلی کا بنیادی تعلق تہذیبی زندگی کی شکست و ریخت اور پرانی اقدار کے بوسیدہ ڈھانچے کا منہدم ہونا تھا کہ عصری زندگی بدلتی ہوئی ہیئت نئی ترجیحات نے شعور و آگہی کے کئی روزن کھول دیے، آمرانہ اقدام اور جمہوریت کی ناکامی نے ملک کی سیاسی فضا کو بری طرح متاثر کیا اور یہ انتشار اقتصادی استحکام پر بھی اثرانداز ہوا، ابتدا ہی میں پاکستان کی نوخیز مملکت کو دو خوف ناک جنگوں سے واسطہ پڑا، ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ اور ۱۹۷۱ء میں سقوط ڈھاکہ کا حوصلہ شکن المیہ ناقابل برداشت ثابت ہوا، اس دور کے افسانے انھی حالات کے غماز ہیں۔

فیصل آباد کے افسانہ نگاروں کے ہاں زبان و بیان کے نت نئے تجربے، فن کی ارتقاو تکمیل کے امکانات کا پتہ دیتے ہیں، ان کے ہاں ایک منفرد اور غیر روایتی اسلوب کو اپنانے کا میلان نظر آتا ہے، علی اختر، پرویز انجم، اخلاق حیدر آبادی، جاوید اقبال، اور گلزار ملک کے ہاں ہر طرف بکھرے ہوئے موضوعات کی پرچھائیاں کرداروں، مکالموں اور مناظر کی صورت میں ترتیب پا کر کہانی کا روپ دھارتی ہیں لیکن ان میں فکر اور نظریہ کی محکمی ابھی مفقود ہے جو کہانیوں کو افسانہ نگاروں کی نمائندگی اور ہمیشگی کا ضامن بنا دیتی ہے۔ ان افسانہ نگاروں کے ہاں متنوع جزیات و احساسات کے بیان میں کہیں محبت کا تذکرہ ہے، کہیں جذبات کی بے پناہ اٹھان، کہیں جنون کا بے زاری میں بدلنا، کہیں جرات کی کمی اور خواہشات کی سرکوبی، کہیں محبتوں کی دھوپ کے ڈھل جانے کا خوف نظر آتا ہے۔ تقسیم برصغیر سے قبلوہ فکری اور علمی سطح پر زندگی کی مثبت اقدار کے مبلغ ہیں، اس لیے کمزوری کے باوجود انسانی ہمدردی اور محبت کا گوشہ ہر افسانے کے باطن میں جھانکتا ہوا محسوس ہوتا ہے، انسان دراصل وسیع امکانات رکھتا ہے ہم اپنی بصیرت

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کے مطابق اس تک پہنچ پاتے ہیں بلکہ بعد کی دہائیوں تک فیصل آباد میں افسانہ نگاروں کی تعداد زیادہ نہیں تھی یایوں کہیے بہت نمایاں نہیں۔ڈاکٹر ریاض مجید کے خیال میں ادبی گروہ بندیوں اور ماہناموں کے قحط کے سبب مضافات کے بہت سے اہل قلم کی تخلیقات کا دائرہ اثران کے شہروں تک محدود ہو گیا۔ (۱)

۱۹۶۵ء،۱۹۷۱ء کی جنگ اس عشرے کا اہم واقعہ ہے اس جنگ کے متعلق شاعری کی نسبت افسانے کم لکھے گئے لیکن جنگ کی نسبت زیادہ اہم واقعہ سقوط ڈھاکہ کا تھا جس پر علامت نگاروں اور حیثیت نگاروں نے دل سوز افسانے لکھے لیکن یہاں زیادہ اہمت تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کو ہی ملی، یہی وہ تاریخی واقعات ہیں جنھوں نے ادب میں اصلاح اور جذبہ حب الوطنی کی آنچ کو سلگائے رکھا۔

فیصل آباد میں افسانہ نگاری کے میدان میں خواتین کی بھی واضح تعداد شامل ہے، رفعت مرزا، نگہت مرزا، فرحت صدیقی، صفیہ صابری، فوزیہ رفیق، روبینہ شوکت، کنیز اسحاق، طاہرہ اقبال، بتول فاطمہ کے نام افسانہ نگاری میں نمایاں اہمیت رکھتے ہیں، ان سب کے ہاں ایک چیز جو مشترک ہے وہ ہے طبقہ نسواں کا حساس مطالعہ، اگرچہ ان کے ہاں صرف یہی موضوع نہیں مگر پھر بھی یہ سب کا غالب موضوع ہے۔ دور حاضر کے افسانہ نگاروں میں زیادہ تعداد نوجوان افسانہ نگاروں کی ہے اور ان کے ہاں بھرپور سماجی شعور اور تعمیری انداز میں پایا جاتا ہے۔ یہ افسانہ نگار زندگی کی مثبت قدروں کی تلاش میں ہیں۔ فیصل آباد میں افسانہ نگاری کا ارتقاان تمام افسانہ نگاروں کی بدولت ہوا اور انھوں نے نئے افسانہ نگاروں کے لیے مثالی نمونے پیش کیے جس سے نئے آنے والوں کو رہنمائی ملی۔

فیصل آباد میں علم و ادب اور شعر و سخن کی روایت کا چرچا بیسویں صدی کی دوسری تیسری دہائی میں جا کر ملتا ہے، فیصل آباد کے اہل قلم نے دیگر اصناف کے ساتھ ساتھ افسانے بھی لکھے، فیصل آباد نے بیسویں صدی کی پہلی پانچ دہائیوں میں تو شاعری میں ہی نام کمایا، شاعری کی نسبت افسانہ نگاری کا رجحان بہت کم لیکن اس دوران علمی ادبی رسائل و اخبارات میں لکھنے والے نوجوانوں میں سے بعض نے قیام پاکستان کے کچھ سال بعد باقاعدہ افسانہ نگار کی حیثیت سے پہچان حاصل کی، فیصل آباد میں افسانہ نگاروں کی زیادہ تعداد قیام پاکستان کے کچھ سال بعد ہی ملتی ہے۔

اخلاق حیدر آبادی

مختصر افسانہ لکھنے والوں میں ایک معروف نام اخلاق حیدر آبادی کا بھی ہے، جنھوں نے مختصر افسانے کو جدید تقاضوں کے مطابق ڈھال کر پیش کیا ہے جو بلاشبہ ان کی قابلیت کا منہ بولتا ثبوت ہے، اخلاق حیدر آبادی کے افسانوں میں فنی نقطہ نظر کے لیے کرداروں کے ذہنی اتار چڑھاو ، جذباتی ہیجان، اضطراب اور نفسیات کو خصوصی طور پر مد نظر رکھا گیا ہے، افسانے کا انجام قاری پر منحصر ہے کہ وہ اس کیا کیا مطلب اخذ کرتا ہے، تمام افسانوں میں وحدت بدرجہ اتم موجود ہے۔ ان کے افسانوں میں ہندی الفاظ اور ہندوستانی معاشرہ کی بھی منظر کشی ہے بحیثیت افسانہ نگار پریم چند سے متاثر نظر آتے ہیں ان کے افسانے کا موضوع بھی عام آدمی ہے، اس کی زندگی، تجربات اور حقیقت ہے ڈاکٹر انوار احمد کے مطابق:

> " اخلاق حیدر آبادی کی معصومیت " انسان دوستی اور بخیہ گری کا میں دل سے قائل ہوں، اس لیے انھیں بہت اچھے انسانوں میں شمار کرتا ہوں بلکہ وہ کسی خانقاہ کے کبوتر کی طرح پاکیزہ اور جان لیوا شکل کے روبرو سپردگی کے عالم میں دکھائی دیتے ہیں مگر ایسا معصوم اور اُجلا رہنے پر مصر شخص افسانہ بھی لکھ سکتا ہے، چاہے اس نے پردیس کا کشٹ کاٹا ہو۔ " (۲)

اخلاق حیدر آبادی کے افسانے زندگی کے بھرپور عکاس ہیں، ان کے افسانے افسانوں کے فن پر پورا اترتے ہیں اور قاری پر وحدت تاثر چھوڑتے ہیں، ان کے افسانے تفکر سے بھرپور ہیں اور قاری کو سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ان کے افسانوں کے کردار عام لوگ ہیں اور ان کی عام ضروریات زندگی جس کا حصول اس قدر مشکل ہوتا چلا جاتا ہے کہ زندگی تلخ اور کڑوی حقیقت لگنے لگتی ہے، ان کے افسانوں میں گیرائی، گہرائی اور فکر ملتی ہے اور قاری کو جھنجھوڑ کر سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں، ان کے افسانوی مجموعہ کا نام "ادھوری تحریر" ہے، اس میں کل اٹھاراں افسانے ہیں۔ ان کے زیادہ تر افسانوں کا موضوع "عورت" ہے، عورت اور اس سے جڑے ہوئے معاشی مسائل اور ضروریات، اس کی کمزوریاں اور ہمت بھی ان کے افسانوں کا موضوع ہے، ایک طوائف کے موضوع کو لیتے ہوئے بھی اس کے طوائف بننے کے بنیادی محرکات پر ضرور نظر ڈالتے ہیں، یعنی عورتوں کے متعلق بھی رجعت پسند نہیں بلکہ آزاد خیال اور عورت کو اس منصب اور مقام کے مطابق عزت دیتے ہیں۔

سید علی محسن

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

سید علی محسن کے افسانوں کے پانچ مجموعے "اداس کہانیاں"، "اس گلی میں"، "جو بیت گیا"، "خمری" اور "زرباف" شائع ہو چکے ہیں۔ سید علی محسن کا اسلوب ان کے موضوع کے پیش نظر فطری تقاضوں کے تحت بدلتا رہتا ہے، وہ اپنے ہر کردار سے اس کی معاشرت کے مطابق گفتگو کراتے ہیں جس سے ان کے افسانوں میں حقیقی رنگ نظر آتا ہے۔ ان کے مجموعے "اداس کہانیاں" میں کل گیارہ افسانے شامل ہیں۔ "خود کلامی" م ی ں دو پ ی ر م ر ش د ہ ی ں ج و آپ س م ی ں زن دگ ی س ے م ت ع ل ق س وال ات ک کیا ہے ؟ اعتبار کیا ہے ؟ وغیرہ، اس افسانے میں ہمیں زندگی کی مختلف حقیقتیں ملتی ہیں۔ افسانہ "ایک صدی کا پل" اس میں مذہب اور محبت کا تعلق اور ان کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ "غلام نبی" کے پس منظر میں احساس جاگتا ہے کہ مہکتے فطری جذبوں اور اخلاقی قدروں کو بانجھ پن کی دیمک چاٹ رہی ہے۔ "ساکھی" میں دو بھائیوں کے درمیان محبت، لڑائی اور بے حسی دکھائی گئی ہے۔ "کرائے کا مکان" میں گھر اور کرائے کا مکان جیسے وسیع استعارے استعمال کر کے ہمیں رشتوں کی اہمیت سمجھائی ہے جس طرح گھر اور کرائے کے مکان میں فرق ہوتا ہے اسی طرح بیوی اور محبوبہ میں بھی فرق ہوتا ہے۔ سید علی محسن کا اسلوب سادہ اور سلیس ہے کہیں بھی کوئی بات قاری کے الجھاؤ کا باعث نہیں بنتی، عام لوگ بھی ان کی بات آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

سید علی محسن کے اسلوب میں ہمیں تجسیم کے نمونے بھی ملتے ہیں، وہ کسی بات کو، بے جان چیز کو اپنے لفظوں کے ذریعے زندہ کر دیتے ہیں اور اسے تجسیم کر دیتے ہیں سید علی محسن کے افسانوں میں کچھ کردار علامتی بھی موجود ہیں، ان کے ایک افسانے "ایک اداس کہانی" میں کوا اور چڑیا کے علامتی کردار ملتے ہیں جو مرد اور عورت کے جذبات کے ترجمان ہیں۔ افسانہ "کوے" میں مصنف نے کوے کو ایسے لوگوں کے لیے علامتی کردار بنایا ہے کہ دل سیاہ ہو چکے ہیں جو رحم کے جذبات نہیں رکھتے۔ سید علی محسن کا طرز بیان صیغۂ واحد متکلم میں ہے، وہ اپنے زیادہ تر افسانوں میں یہی صیغہ استعمال کرتے ہیں جس سے پڑھنے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ ان کی اپنی کہانی ہو۔

گلزار ملک

گلزار ملک کے افسانوں میں زندگی کے گرد و پیش کا حساس، مطالعہ حقیقت اور سچائیوں پر مبنی باتیں استحصال زدہ انسانوں کے حقوق کا شعور پایا جاتا ہے، وہ زندگی کو قریب سے دیکھتے ہیں اور اس کے پہلوؤں کی عکاسی کرتے ہیں، ان کے افسانوں کا غالب پہلو آزادی ہے، وہ جبر و استحصال میں جکڑے ہوئے انسانوں کے لیے آزادی چاہتے ہیں، ان کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں اور انھیں اس ماحول سے نکلنے کے راستے بتاتے ہیں، ان کے سیاسی سماجی شعور کے تحت لکھے گئے افسانوں میں بے خوفی پائی جاتی ہے، ان کے افسانوں کا مجموعہ "آزادی کے لیے ایک مزدور کی موت" ان کے خیالات و جذبات کی پوری عکاسی کرتا ہے۔ ان کی اس کتاب میں پانچ افسانے ہیں جو موجود تمام تر افسانے آزادی کی جستجو میں لکھے گئے ہیں۔ کہیں تو ملکی اور سرحدی سطح پر اور کہیں ذہنی غلامی اور نفسیاتی الجھنوں کی کوفت سے چھٹکارا پانے کی کوشش کا نام ہے۔

"آگ" یہ کتاب گلزار ملک کا دوسرا افسانوی مجموعہ ہے جس میں انھوں نے آگ کو علامتی طور پر برتا ہے، اس کتاب میں چھ افسانے شامل ہیں، تمام تر افسانوں میں "آگ" سے مراد معاشرہ کی علامت کسی نہ کسی صورت میں نظر آتی ہے۔ گلزار ملک کی سوچ اور فکر دور جدید میں مادیت پرستی کی دوڑ میں روندے جانے والے انسان کے لیے ایک لاٹھی کی صورت میں سہارا بنتی نظر آتی ہیں۔ "اندھوں کی بستی میں محبت" گلزار ملک کا تیسرا افسانوی مجموعہ ہے اس مجموعے میں چھ افسانے شامل ہیں۔ کہانیوں میں زیادہ تر کہانیاں رومانوی طرز کی ہیں جن میں محبت اور تکمیل محبت، محبت کے سفر در پیش مسائل، ناکام محبت کی وجوہات اور محبت کرنے والوں کے خلاف سماج کا رد عمل واضح نظر آنے والے موضوعات ہیں۔

عصر حاضر کے افسانے کے تناظر میں گلزار ملک کے افسانوں کا تجزیہ کیا جائے تو ان کا اسلوب دیگر افسانہ نگاروں سے بہت حد تک مختلف ہے، ان کے افسانوں میں معنویت اور زبان و بیان کی دیگر خوبیوں کے ساتھ اسلوب کی انفرادیت بھی ایک امتیاز ہے جو گلزار ملک کو ان کے معاصرین میں نمائندگی بخشتی ہے۔ ان کے اسلوب میں بیان کی شدت کے ساتھ قاری کی سوچ اور فکر کو ایک سمت فراہم کرنا بھی ایک خاصا ہے۔ ناصر عباس نیر اس انداز کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "اچانک انکشاف "گلزار ملک کے بیانیہ عمل کا اہم حربہ ہے، وہ افسانے کو کچھ اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ " اچانک انکشاف " کی راہ ہموار کرتا چلا جاتا ہے، حقیقت نگاری کی روایت میں لکھے گئے بیانیوں میں اس حربے کو بالعموم برتا جاتا ہے، عام اور سادہ حقیقتوں کے باطن سے کسی بڑی حقیقت کا اچانک اور غیر متوقع انکشاف کیا جاتا ہے، یہ حربہ گلزار ملک نے "کاروکاری' اور "دودھیا بھٹا" میں کامیابی سے برتا ہے۔ " (۳)

گلزار ملک کے ہاں پائی جانے والی ہر علامت معنی خیز اور بااثر ہوتی ہے جس کے پیچھے ایک پورا جہان آباد ہوتا ہے، ان کے ہاں ایسا ہر گز نہیں ہے کہ کسی چیز کو بے فیض استعمال میں لایا گیا ہو، ان کی یہ خوبی ہے کہ وہ جزو کو کل بنا دیتے ہیں۔ گلزار ملک کے افسانوی مجموعوں کو اگر تجزیاتی لحاظ سے دیکھا جائے تو ان کے تینوں افسانوی مجموعے علامتی طرز کے ہیں جن کے نام بھی با قاعدہ طور پر علامتی رکھے گئے ہیں۔ گلزار ملک ایک ایسے عمدہ اور نفیس قلم کار ہیں جن سے افسانے کا روشن مستقبل تعبیر کیا جا سکتا ہے، ان کے ہاں مشاہدہ کا تیکھا پن ہی معاشرتی قدروں کو گہرائی سے دیکھنے کا بہترین حربہ ہے جو ایک اچھے اور عمدہ افسانہ نگار کی خوبی ہوتا ہے۔

ایم۔ آر۔ آصف

ایم۔ آر۔ آصف کا شمار فیصل آباد کے ابتدائی افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے، ان کے افسانوں کا مجموعہ "کھلی کھڑکیاں بند دروازے" ۱۹۸۰ء میں منظر عام پر آیا، اس سے پہلے بھی ان کے (۳۵-۳۰) افسانے "چترا"، "پارس"، "نوجوان" جیسے رسالوں میں شائع ہو چکے تھے، ایم۔ آر۔ آصف نے کلینیکل سائکالوجی کا علم حاصل کیا تھا جس کی وجہ سے وہ انسانی زندگی کے روزمرہ مسائل کو اچھے طریقے سے سمجھتے اور بیان کرتے ہیں، نفسیات کے علم کا رنگ ان کے افسانوں میں بھی آتا ہے لیکن اس میں ان کی اپنی شخصیت نظروں سے اوجھل رہتی ہے۔

پروفیسر آصف اپنے کسی افسانے کو Case History نہیں بننے دیتے بلکہ افسانے کے لوازم کا خیال رکھتے ہیں، ان کا انداز مختصر بیانیہ ہے اور وہ زندگی کا حقیقی تاثر بھی پیش کرتے ہیں جس میں تفریح کا عنصر غالب رہتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ قاری کے قلب و ذہن میں تاثراتی ہل چل پیدا کر دیتے ہیں، وہ "کھلی کھڑکیاں بند دروازے"، "مجازی خدا"، "لمحوں کی زنجیر"، "کیسی منزل ملی"، "پیاسا"، "رد کے فاصلے"، "میرے خواب ریزہ ریزہ" اور "جواب دو" میں قاری کے ذہن میں ایک تاثر ابھارتے ہیں۔ پروفیسر آصف کا اسلوب جداگانہ ہے مگر روایت سے کنارہ کش نہیں ہے، ان کے زیادہ تر افسانے جنسی تعلقات اور خانگی وازدواجی معلومات ہیں لیکن ان کے افسانوں میں ایمائیت کا پہلو بھی واضح ہے، مصنف کا فن تاثراتی اور تفریحی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خاص مقصد بھی رکھتا ہے۔

ظہیر سلیمی

ظہیر سلیمی فیصل آباد کے ابتدائی افسانہ نگار کے طور پر سامنے آتے ہیں، ظہیر سلیمی حساس اور ذہین افسانہ نگار ہیں، ان کی کہانیوں کے موضوعات زندگی کے مشاہدے ہیں لیکن یہ صرف کہانیاں نہیں ان میں زندگی کا مقصد چھپا ہے، ان کے کردار دوسروں کو خوشیاں دیتے ہیں مگر خود انتشار کا شکار ہیں، ظہیر سلیمی انسان کی نفس شناسی کی منزلیں طے کرتے ہیں اور زندگی کے مشاہدے کے علاوہ ان کا دوسرا بڑا موضوع "خواب" ہیں، خواب ان کے ہاں کسی کردار کو ہمت و حوصلہ بخشتے ہیں، جینے کی امنگ پیدا کرتے ہیں اور جدوجہد کا درس دیتے ہیں۔

ظہیر سلیمی اپنی کہانیوں کا پس منظر نیلی چڑیا، نیلا سمندر، نیلی آنکھ، سفر، سناٹا، کھردرے پہاڑ جیسے امیجز کو قرار دیتے ہیں، ان کے افسانوں کے مجموعے کا نام "چپ کی روشن فتح" ہے، یہ چونکہ معاشرے کی بات کرتے ہیں تو اسی لیے ان کے افسانوں کے موضوعات یکساں نوعیت کے ہیں جن کا تعلق عظمت انسانی کے خواب سے ہے، ان کے یہ خواب ابتدائی مرحلے پر ایک کونپل کی طرح ہیں اور کہیں یہ ہر خطرے سے بے نیاز لکھتے ہیں۔ ظہیر سلیمی کے ہاں ایسے کردار بھی ملتے ہیں جو روح کی تشنگی کا شکار ہیں، معاشرے میں احساس بیدار کرنے کے حوالے سے وہ سرمایہ داروں، جاگیر داروں، کارخانہ داروں کے خلاف بات کرتے ہیں، ان کے افسانوں میں زندگی پر تنقید ہی نہیں بلکہ امید سحر کی نوید بھی ملتی ہے۔

محمد ابدال بیلا

محمد ابدال بیلا فیصل آباد کے ابتدائی افسانہ نگاروں میں شامل ہیں، ان کے ہاں مظاہر کا سطحی مطالعہ ہی نہیں ملتا بلکہ ان کے تجربات گہرے ہیں جن کی بنا پر وہ افسانے تخلیق کرتے ہیں، انھوں نے علامتی افسانے بھی لکھے مگر ان کے علامتی افسانوں کو سمجھنے والے لوگوں کی تعداد کم ہے، ان کے کچھ افسانے ایسے ہیں جو دنیائے ادب کے شاہکار افسانوں کے اسلوب و موضوع کی پیروی کرتے ہیں، مثلاً چائے پانی، بشریٰ، گڈ مڈ، کی شکنتلا، گوشت خور، کی ساحرہ وغیرہ۔

"زیارت"، "گیلی روشنی"، اور "کو کلا چھپاکی" ان کے علامتی افسانے ہیں، محمد ابدال بیلا، منٹو، عصمت چغتائی اور واجدہ تبسم کے پیروکار بننے کے خواہش مند ہیں۔ ان کا مشاہدہ گہرا ہے کہ وہ اس قبیلے کے فرد مانے جا سکیں۔ ان کے افسانوں کے کردار جسمانی تقاضوں تک محدود رہتے ہیں، زیادہ تر کردار وہ مرد و عورت ہیں جو معاشرے میں

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کسی لحاظ سے تشنہ ہیں، کبھی مذہب کے حوالے سے کہیں برادری کے لحاظ سے،ان کا افسانی "بروکیڈ" ان کے ایسے کرداروں بھرپور عکاسی کرتا ہے۔"گڈمڈ" افسانوں کا مجموعہ ان کے زمانہ طالب علمی میں شائع ہوااس کے بعد "سن فلاور" جس کے متعلق اشفاق احمد کا کہنا ہے کہ یہ افسانے مصنف کے گہرے اور وسیع مشاہدے کے آئینہ دار ہیں۔

شمس نغمان

۱۹۶۰ء کی دہائی کے بعد اردو افسانے میں ہیئت،اسلوب اور موضوع کے اعتبار سے بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں تو افسانہ علامت نگاری اور تجریدیت کا قائل ہو گیا ،شمس نغمان کے افسانے تجریدیت کے علمبر دار ہیں اگرچہ تجریدیت کو زیادہ پذیرائی نہ ملی کیونکہ اس اردو افسانے کی روایت سے کوئی تعلق نہ تھا،شمس نغمان کے افسانوں موضوع جنس ہے،وہ جنس کو بہت اہمیت دیتے ہیں،کہتے ہیں ہمارا تعلق اسی قوم سے ہے جو جنسی بھوک کا شکار ہیں،ان کے ہاں یہ جذبہ اتنا طاقتور ہے کہ اس سے فرار ممکن نہیں ،وہ اسی کو زندگی کی ابتدا اور انتہا قراد دیتے ہیں، شمس نغمان اس خواہش کو زندہ رہنے کے مترادف قرار دیتے ہیں،ان کے افسانوں کا مجموعہ "آوازیں اور یادیں" اس احساس کی حدت کا حامل ہے، آدم کی ہڈی،شناخت کا سفر،بکھرے سائے اور میں اور میں جیسے افسانے ان کے اندازِ فکر کو ظاہر کرتے ہیں۔

اعجاز حنیف

اعجاز حنیف کے افسانوں کا پہلا مجموعہ 'بستی بستی پکار امیں نے" ہے،ان کے افسانے اور تجریدی صورت میں لکھے گئے ہیں لیکن ان کی تحریر میں کسی طرح کا ابہام نہیں ہے جو اکثر علامتی اور تجریدی لکھنے والوں کے ہاں ملتا ہے،ان کی کہانیوں میں اعلیٰ احساس فکر پائی جاتی ہے جس میں" پاکستانیت "کا شدید احساس ہے۔اعجاز حنیف کی فکر اسلامی مولانا مودودی کی انقلابی روایت سے متاثر ہے،ان کے افسانہ "اجنبی" میں پیامبر کی تبلیغ،انسانوں کا اسے جھٹلانا،حق کا بول بالا اور باطل کی بے بسی،رحمتوں کے نزول تک کا سفر علامتوں میں بیان کیا گیا ہے،'اجنبی" صرف سید ہی کی نہیں فرمان حق کے ہر وارث کی علامت ہے۔"بلند ہستیاں" شعور کا سفر ہے جس میں گا وں کے مناظر شہر کی کثافتوں کو مٹا دیتے ہیں،"سماج کا دشمن" میں زندگی کے تلخ پہلو وں کو بیان کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ سماج کا اصل دشمن غریب انسان نہیں بلکہ سرمایہ دار لوگ ہیں جو کسی کو مفلوک الحال کر دینے کے بعد بھی ظلم و ستم بند نہیں کرتے،ان کے افسانہ "چوتھی کرسی "اور "تازہ خدا" جنگ اور موت،وطنیت کے موضوعات پر کھے گئے ہیں۔اعجاز حنیف کی کہانیوں میں بغاوت کے بجائے اسلامی شعور حیات کے اثرات غالب ہیں۔

رشید مصباح

رشید مصباح نے ۱۹۷۰ء کے عشرے میں افسانے لکھنے شروع کیے، ۱۹۸۴ء میں ان کے افسانوی مجموعہ "سوچ کی داشتہ" شائع ہوا،اس مجموعے میں شامل افسانے مصنف کے مثبت رویے کو ظاہر کرتے ہیں اور گہرے سماجی ور تاریخی شعور کی گواہی دیتے ہیں،ان کے اس مجموعے کو تین حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے،پہلے چار افسانے" ننگے درخت"،" دھواں دھواں"،"سوچ کی داشتہ" اور"نیا صفحہ" عمرانی تاریخ کے پس منظر پر نظر ڈالتے ہیں۔"سوچ کی داشتہ "اہم علامتی افسانہ ہے جس میں خواہش اور تضادات میں گھرا انسان کسی پختہ حکمت عملی کو تشکیل دینے کے قابل نہیں ہوتا مگر اسے یہ احساس کبھی وقت سے پہلے اور کبھی وقت کے بعد ہوتا ہے۔یہاں افسانہ نگار نئی نسل میں شعور اور وقار پیدا کرنے کا خواہش مند ہے۔اگلے چار افسانے"اپتھنا"،"جونز ٹا وَن"،"رد عمل" اور" آواز کا لمحہ "علامت نگاری کا مرقع ہے،ان افسانوں میں انسانی نفسیات کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے،ان کے افسانوں میں علامتیں مکمل اظہار بن کر سامنے آتی ہیں۔آخری تین افسانے"کچھ پھل"،"سرخ پھول" اور"حرامی" سماجی جبر کے خلاف لکھے گئے ہیں۔رشید مصباح کے ہاں فکر کے ساتھ ساتھ فن کا بھی بھرپور اظہار ملتا ہے،انھوں نے جس دور میں افسانے تخلیق کیے وہ دور نئے اور پرانے سماجی نظام میں جنگ کا دور تھا،ایسے وقت میں لفظوں کی تصویریں اجاگر کرنا آسان کام نہ تھا۔

نصیر احمد چیمہ

نصیر احمد چیمہ کا افسانوی سفر "رکسونا کا قلعہ "کی صورت میں پیش ہوا۔ان کے افسانے کئی سالوں تک رسالوں میں شائع ہوتے رہے،ان کے افسانوں کی تعداد تھوڑی ہے مگر فنی پختگی اور مہارت ان کے افسانوں کی پہچان ہے،ان کی ہر کہانی اپنی جگہ مکمل اور جامع ہے،انھوں نے کہانیوں کے موضوعات اپنے گردو پیش سے لیے ہیں،ان کے افسانوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے زندگی کے پھیلاو میں محض چند واقعات کو چنا ہے جو انسان کے لیے جاذب توجہ ہیں،مثلاً ان کے افسانہ "ڈاکٹر پڑدھمن سنگھ" میں سیاسی اور فطری انسانی دائروں میں سے ایک مضبوط کردار ہے،اس افسانے میں سیاست اور تاریخ کی باتیں بیان کی گئی ہیں۔

"آپ کی اداٹھہری" میں ایک بے بس باپ کو اس کی بیٹی کے دکھ دکھا کر اسے درد سے تڑپا ڈالا ہے، "ستو کا محبوب" میں افسانہ نگار "امانت کی حفاظت" جیسے حساس موضوع کو زیر بحث لایا ہے، اس افسانہ میں اخلاقی قدروں کی پاسداری کا سبق ملتا ہے، "دن گنتی کے" میں فانی زندگی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ نصیر احمد چیمہ نے تھوڑی تعداد میں افسانے لکھ کر بھی افسانے کی پختگی اور فن کی بلندی حاصل کی ہے جو ان کے محدود سرمائے میں بھی اپنے وجود کا احساس دلاتی ہے۔

افتخار نسیم

افتخار نسیم کے افسانوں کا مجموعہ "شیری" ہے، ان کے افسانوں کے موضوعات عام نہیں ہیں بلکہ انھوں نے معاشرے کے اقلیتی طبقے کو موضوع بنایا ہے اور Gay Life کی تصویر کشی کی ہے، انھوں نے ایسے طبقے کے لیے قلم اٹھایا ہے جسے اللہ نے مرد یا عورت مکمل ہونے سے پہلے ہی دنیا میں بھیج کر اس کی الگ قسم متعارف کروائی۔ افتخار نسیم نے اس طبقے کے مسائل کو اجاگر کیا ہے انھوں نے تیسری دنیا کے متعلق معاشرے کے منفی پہلو کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اللہ سے شکوہ کیا ہے۔ افتخار نسیم فیصل آباد کے ابتدائی افسانہ نگار ہیں انھوں نے اپنے افسانوں میں انسانی تعلقات، رشتوں کے بحران کو بیان کیا ہے اور اقلیتی طبقے کو خاص طور پر موضوع بنایا ہے۔

ندیم باری

ندیم باری کا شمار فیصل آباد کے ایسے ابتدائی افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے عام لہجے اور سادہ اسلوب کو اپنائے رکھا اور عام فہم ہیئت میں بھی زندگی کی بھرپور دریافت میں کامیاب ہوئے۔ ندیم باری معاشرے کی عکاسی غیر علامتی اسلوب میں کرتے ہیں لیکن اپنے اسلوب میں وہ پورے مطالب و مفاہیم سمجھا دیتے ہیں، وہ افسانے کی ہیئت کے بجائے اس کے موضوع کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں، اس لیے ان کا رابطہ قاری سے بحال رہتا ہے۔ ان کا پہلا مجموعہ "وفا کی خوشبو" بارہ افسانوں پر مشتمل ہے یہ مجموعہ ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔ پروفیسر اشفاق بخاری "ندیم کا فن" میں لکھتے ہیں:

> "ان کے افسانوں میں سے "آہنی کرسی" اور "چھوٹا آدمی" صرف تخیل کی زرخیز علامت ہیں لیکن یہ آدرش صرف ان دو افسانوں پر ہی محیط نہیں بلکہ وہ سارے افسانوں کی مشاہداتی، واقعاتی، کرداری صورت حال کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہیں۔"(۴)

ندیم باری کے افسانوں کا موضوع رشتوں سے محبت ہے، وہ محبت کا غیر جسمانی تصور پیش کرتے ہیں، ان کے ہاں جنسی مخالف محبت کی دیوی ہے مگر اسے چھوا نہیں جا سکتا، ان کے ایک افسانے "بنگلے اور کوٹھیاں" میں ایک کردار ایسا ہے جو محبت کی حد کو توڑتے ہوئے جنسی تعلقات قائم کرتا ہے مگر اسے اس کی بڑی سزا ملتی ہے۔ ۱۹۷۱ء کے بعد سقوط ڈھاکہ پر بہت سے افسانے لکھے، ندیم باری نے "ڈھاکہ کی بیٹی" کے عنوان سے افسانہ لکھا، اس افسانے میں وہ انسانی رشتوں اور ان کی تباہی کی بات کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ "تمغۂ محبت" اور "لہو کی لکیر" اسی پس منظر میں لکھے گئے افسانے ہیں، "وفا کی خوشبو" محبت پر لکھا گیا افسانہ ہے جس میں کردار محبت کے راستے پر قدم رکھے بغیر ہی دنیا سے کوچ کر جاتا ہے۔ ندیم باری کے افسانوں کا دوسرا مجموعہ "تنہا لوگ" ہے اس مجموعے میں شامل کہانیوں کو ہم رزق حلال کی کہانیاں کہہ سکتے ہیں۔

علی اختر

علی اختر کا تعلق افسانہ نگاروں کی ایسی کھیپ سے ہے جو نئی ہونے کے باوجود روایت شکن نہیں، علی اختر کے افسانوں کے موضوعات عمومی طور پر معاشرتی زندگی کے ارد گرد گھومتے ہیں، علی اختر کا پہلا مجموعہ "بول ری گڑیا" گیارہ افسانوں پر مشتمل ہے، یہ افسانے موضوع کے اعتبار سے نئے یا انوکھے نہیں ہیں لیکن ان میں ہمیں کرداروں کے ذریعے زندگی کا مثبت رویہ ملتا ہے، اس مجموعے میں علی اختر چند تلخ حقائق کو نرم الفاظ کے ذریعے روشناس کراتے ہیں۔ ان کا مجموعہ "خواب تیری آنکھوں کے" ایسی سوچ کا مظہر ہے جو جبر و استحصال کی گھن گرج کے درمیان انصاف، امن، مساوات اور شعور و بصیرت کا علمبردار ہے۔ علی اختر کے افسانوں کے آٹھ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ علی اختر نے مختلف زاویوں سے معاشرتی و معاشی، اقتصادی اور جنسی مسائل کو کہانی کی شکل میں ڈھالا ہے، اسی ماحول میں رہتے ہوئے زندگی کے ان گوشوں کو کھنگالا ہے جو ہر دور کے معاشرتی تغیرات اور انسانی رویوں کے آئینہ دار ہیں، ان کا سماجی شعور اور فنی پختگی اس ماحول کی دین ہے، جہاں انھوں نے آنکھ کھولی، ان کے افسانوں کے کردار چمکتے، دمکتے اور مخملیں نہیں ہیں بلکہ انھی گلیوں، بازاروں اور محلوں میں سانس لیتے چلتے پھرتے انسان ہیں۔

Vol.5 No.1 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

علی اختر نے کہانیوں کو افسانوی رنگ دیئے بغیر اور افسانوی ٹچ دیےءہوئے ایسے خوبصورت تاثر پیدا کیے ہیں کہ زندگی کی حقیقتیں اپنی سچائیاں اُگل دینے پر مجبور نظر آتی ہیں،، علی اختر نے زندگی کے گہرے تجربے اور شعور سے انسانی رشتوں کی باریکیاں مد نظر رکھی ہیں اور کرداروں کے رویے کا خوب باریکی سے تجزیہ کیا ہے۔ بے روز گاری بھی اسی معاشرے کا پیدا کردہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو نوجوان نسل میں انتشار، مایوسی اور اضطراب پیدا کرکے انھیں نفسیاتی مریض بنا رہا ہے۔ "اس کے ہاتھ میں ڈگریاں تو موجود تھیں مگر حرف اور کومل لفظوں کے سارے پنچھی اس کے ذہن کے درخت سے ایک ہلونے کے ساتھ ہی کہیں اڑ گئے تھے۔" (۵)

علی اختر معاشرے کے مسائل کو بیان کرتے ہوئے مصالحت پسندی سے کام نہیں لیتے بلکہ اپنے تجربے اور مشاہدے سے ان افسانوں میں رنگ اجاگر کرتے ہیں، ان مسائل کا ادراک انھوں نے جذباتی انداز سے نہیں کیا مگر تلخ حقیقتوں کا ادراک کرکے انھیں منصفانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ علی اختر کی کہانیوں کا نمایاں پہلو ان میں قصہ پن کی وہ خوبی ہے جو انھوں نے اپنی کہانیوں میں ہر حالت میں برقرار رکھی ہے، ان کی کہانیوں کا انداز پڑھنے والوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے جو ان کی سب سے بڑی کامیابی کی دلیل ہے۔

جاوید اقبال

جاوید اقبال کا شمار فیصل آباد کے ابتدائی افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے انھوں نے مختصر وقت میں کثیر تعداد میں افسانے لکھے ہیں۔ ۱۹۹۴ء سے ۲۰۰۰ء ان کے سات مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ پہلا افسانوی مجموعہ "تنہا چاند اور ساری راتیں" ہے اس کے بعد "شام آشنا"، "خواب خواب موسم"، "شہر نارسا"، "آدھے درد کی شام"، "دھند کے نقوش" اور "مہ نورد" طبع ہوئے۔ ان کے تمام افسانوں میں خلوص فکر اور مشاہدہ کے ساتھ ساتھ ٹھہراو اور تحمل بھی ملتا ہے، ان کے افسانوں میں اسلوب کے تحت نئے تجربے ملتے ہیں جو ان کے فن کے ارتقا کی نوید سناتے ہیں، ان کا اسلوب غیر روایتی اور منفرد ہے۔ جاوید اقبال کے طرز نگارش کے بارے میں ڈاکٹر اجمل نیازی لکھتے ہیں:

"جاوید اقبال چاندنی راتوں کی حسین و جمیل اداس فضاؤں میں قلم ڈبو کر لکھتا ہے، ایک جمال اس کا ہمسفر ہے اور وہ لوگوں کو کسی ایسے حسن کا پتہ دینا چاہتا ہے جو اُن کی آنکھوں کو سرشار کر دے۔" (۶)

پہلا مجموعہ "تنہا چاند اور ساری راتیں" چودہ افسانوں پر مشتمل ہے، اس مجموعے میں شامل افسانوں میں جاوید اقبال نے معاشرتی اور نفسیاتی مسائل پر قلم اٹھایا ہے۔ اس مجموعہ کے متعلق ڈاکٹر وحید قریشی لکھتے ہیں۔

"کہانی کا اصل محور وہ فضا ہے جس کی تخلیق اس کے نزدیک کہانی کی اصل بنیاد ہے۔" (۷)

ان کے ہاں ہمیں گہرا مشاہدہ ملتا ہے اور وہ طویل واقعات کو اختصار سے بیان کرتے ہوئے کہانی کا حسن بڑھا دیتے ہیں۔ دوسرے مجموعے "شام آشنا" میں وہ انسانی فطرت کے تضادات کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں، ان کے کردار اضطراب اور سوچ کے راستوں پر سفر کرتے ہیں۔ "خواب خواب موسم" ۱۲ افسانوں پر مشتمل ہے، اس مجموعے میں معاشرتی مسائل پر محبت پرور افسانے شامل ہیں، "دھند کے نقوش" میں چودہ افسانے شامل ہیں۔ "مہ نورد" جاوید اقبال کے ۱۹ افسانوں پر مشتمل ہے، ان کے ان افسانوں میں ایسے کردار ہیں جو اداسیوں میں کھو کر معمولات زندگی سے کٹ جاتے ہیں، اس مجموعے کا سب سے خوبصورت افسانہ "مہ نورد" ہے جو خالصتاً رومانوی نثر کا ٹکڑا ہے، جاوید اقبال کے افسانوں کی مجموعی فضا اداسی کا گہرا تاثر دیتی ہیں، یہی اداسی ان کو ان کے ہم عصر افسانہ نگاروں سے جدا کرتی ہے، ان کی اداسی ہمیں ذاتی نظر آتی ہے۔

محمد اشرف امید

محمد اشرف امید کے افسانوں میں ہمیں روایت سے ہٹ کر کچھ نہیں ملتا، ان کا شمار فیصل آباد کے ابتدائی افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے، انھوں نے افسانے کی روایت برقرار رکھتے ہوئے افسانے لکھے اس لیے اس کے موضوعات نئے نہیں ہیں مگر ان میں اصلاح معاشرہ کا پہلو ملتا ہے، وہ سیدھے سادے انداز میں کہانیاں لکھتے ہیں۔ ان کے افسانوں کا مجموعہ "دوسرا سجدہ" ہے، ان کے افسانوں مثلاً "اندھیرا سایا"، "راضی برضا"، "مکافات عمل" اور "دوسرا سجدہ" وغیرہ میں معاشرے کا عام ذہنی و جذباتی المیہ بیان کیا گیا ہے، محمد اشرف امید کے افسانے فنی لحاظ سے تمام تر لوازمات لیے ہوئے نظر آتے ہیں جو افسانے کے لیے ضروری ہوتے ہیں، ان کے افسانوں میں موجود اصلاح معاشرہ کا پہلو قابل تحسین ہے۔

ارشاد اعجاز رانا

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ارشاد اعجاز رانا کا تعلق افسانہ نگاروں کی ایسی قبیل سے ہے جو نئے راستے کی تلاش میں نکلتے ہیں لیکن روایت سے منحرف نہیں ہیں، ارشاد اعجاز رانا افسانے کے بنیادی تقاضوں کو نبھاتے ہوئے جاذبیت رکھنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ "شاہ بلوط کا خشک پتا" ان کی دلچسپی کا پتہ دیتا ہے کہ انھیں انسان کے باطن سے کتنی دلچسپی ہے، انھوں نے علامتی افسانے بھی لکھے، علامتی افسانوں میں "اپنی اپنی قبر" اور "گول مکان" شامل ہیں۔ ان کے افسانوں میں انھوں نے زندگی کی تلخ حقیقتوں کو علامت کے ذریعے بیان کیا ہے۔ اصغر ندیم سید، ارشاد اعجاز رانا کے افسانوں کے تعارف میں لکھتے ہیں:

" ان کے افسانوں کی مجموعی فضا ڈرامائی تاثر رکھتی ہے، واقعات اپنی جزئیات کے ساتھ تیزی سے حرکت پذیر رہتے ہیں گویا زندگی اپنے تموج کے ساتھ نظر آتی ہے۔"(۸)

وہ فکری اور علمی سطح پر زندگی کی مثبت اقدار کے مبلغ ہیں، اس لیے کمزوری کے باوجود انسانی ہمدردی اور محبت کا گوشہ ہر افسانے کے باطن میں جھانکتا ہوا محسوس ہوتا ہے، انسان دراصل وسیع امکانات رکھتا ہے ہم اپنی بصیرت کے مطابق اس تک پہنچ پاتے ہیں۔ ان کے کردار ہمارے معاشرے کے چلتے پھرتے کردار ہیں، ارشاد اعجاز رانا نے اپنے ہم عصروں کی طرح ارد گرد پر گہری نظر رکھی ہے، ان کے افسانوں میں ایک درد بولتا ہے، ان کا یہ دلکش اور اچھوتا انداز انھیں ان کے ہم عصروں میں نمایاں مقام دلاتا ہے۔

صابر رضا

صابر رضا نرم خو، نرم گو شاعر اور افسانہ نگار ہیں، شعر کا کمال ایجاز و اختصار میں اثر دکھانے پر ہوتا ہے یہی وصف ان کے افسانوں میں بھی موجود ہے، ان کا انداز بیان سادہ اور رواں ہے، صابر رضا کے افسانوں میں حیات انسانی کے تمام پہلو دکھ اور کرب کے ساتھ ساتھ انسان کی تنہائی، سناٹا اور جبر کو پہلو بہ پہلو بیان کرتے ہیں، وہ تمثیلات کے باریک پردوں سے بات کو بیان کر کے خوبصورت بنا دیتے ہیں، ان کے افسانوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کائنات کے تسلسل اور برقراری کا یہ سفر ایثار و قربانی پر رواں دواں ہے۔

غلام رسول تنویر

قیام پاکستان کے بعد فیصل آباد کے ابتدائی لکھنے والوں میں غلام رسول تنویر کا نام نمایاں ہے، ان کے افسانے کئی سال پہلے ادبی رسالوں میں شائع ہوتے رہے، غلام رسول تنویر کے افسانوں میں ایک باشعور ذہن کی جھلک ملتی ہے، زندگی سے متعلق ان کا تجربہ گہرے احساس اور تفکر پر مبنی ہے، وہ انسانوں کے ظاہر و باطن کو آپس میں جوڑتے ہیں اور سیاسی و سماجی شعور رکھتے ہیں اس وجہ سے ان کے افسانوں میں ہمیں خاص مقصدیت ملتی ہے۔ "روح کا گوتم" میں ان کا سیاسی و سماجی شعور پوری طرح بیدار ہے، یہاں ہمیں کچھ تاریخی حقائق بھی ملتے ہیں، ان کے ہاں زندگی کی تجریدیت کے بجائے ایک عملی و حقیقی نقطہ نظر بھی ملتا ہے جس میں عقل اور ہوش مندی کا عنصر نمایاں ہے۔

پرویز انجم

افسانہ محض واقعات کی حسن ترتیب کا نام نہیں ہے بلکہ ان واقعات کے تار و پود میں موجزن اس روح، رس، ست کا فنکارانہ اظہار ہے جسے مرکزی فکر یا بنیادی فلسفہ کہا جائے، چھال کے اندر کا سفر ان چھوا، نادر، منفرد، آفاقی اور جاوداں ہے۔ پرویز انجم کے ہاں یہ روح، یہ رس، رومان کے روپہلے زاویوں میں نمایاں ہوتا ہے وہی انجانے نگر، وہی افلاطونی محبت، اس کا کرب انگیز انجام اور ظہار کا جمالیاتی پیرائیہ جو حقائق کے ترش خو چہرے کا غازہ بنتا ہے۔ افسانے کی حیثیت میں یہ تجربہ بھی اپنی نوعیت کا ہے کہ افسانہ اور سفر نامہ کی تکنیک ہمراہ ہو لیں، صیغہ واحد متکلم اس پر مستزاد، اس میں ایک رومانی وجود کی انانیت جھلکتی ہے، پرویز انجم کے ہاں اس تکنیک کا خوبصورت رخ موجود ہے، عنوانات ان کی کہانیوں کا بلیغ استعارہ بنتے ہیں اور تشبیہات کسی کویتا کی کو ملتا لیے ہوئے ہے۔

پرویز انجم کی کہانیاں سچے اور انمول جذبوں کے امر قصے ہیں، یہ جذبے جیسے رب کی ذات، بندے کی حقیقت اور کائنات کی حقیقت، یہ جتنے قدیم اور ازلی ہیں اتنے ہی جدید اور ابدی بھی۔ ان کی کہانیاں سحری سویر سے ملائم جذبوں کی روداد ہیں جو سینوں میں پرت در پرت رقم ہوتی ہیں اور حرف خوشبو میں سدا مہکتی ہیں، ان کے اپنے شیشہ سنگ ہیں، اپنے رنگ و آہنگ ہیں اسی لیے ہمہ گیر تجربہ ان کا برتا ہوا ذاتی تجربہ بن جاتا ہے۔ افسانے کے لیے افسانہ نگار کا انداز تحریر اور اسلوب بڑی اہمیت رکھتا ہے، ایک ہی موضوع پر لکھے ہوئے افسانہ نگاروں کے افسانوں کو اسلوب بیان ہی ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز کرتا ہے، پرویز انجم ایک جداگانہ اسلوب کے مالک ہیں ان کے ہاں سادہ اور

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

آسان الفاظ بکثرت ملتے ہیں، قاری الجھاؤ کے بجائے روانی سے پڑھتا ہے اور مصنف کی اصل سوچ تک رسائی حاصل کر لیتا ہے لفظوں کے پردوں میں چھپی حقیقت ہمیں پرویز انجم کے افسانوں میں ملتی ہے۔

پرویز کے ہاں مکالمے ان کے کرداروں کی نفسیات اور رویوں کی عکاسی کرتے ہیں۔افسانہ "ذراسی مسکراہٹ" مکالمہ کی بھرپور عکاسی کرتا "ایک موسم" کہانی تاریخ، تہذیب اور انسانی نفسیات کا وہ استعارہ بن جاتی ہے جس کا عنوان خیر کا ماخذ ہے" بارود موسموں کے دکھ" اور "جھوٹے کہیں کے" اگرچہ یہ آج کا غالب موضوع ہے ،اس دھرتی کا نوحہ بیان ہوا ہے کہ فضا اور زمین دونوں کی کرب آشنائی باہم ہو گئی ہے،اس کتاب کی مرکزی وحدت اداس مسکراہٹوں کے رومان ہیں، یہ کبھی کشمیر جنت نظیر کی "بیگو" کبھی شملہ کے آسمان کو چھوتے پہاڑوں میں "ایک موسم" کی دلگداز تاریخی داستان، کبھی کوہ مری کی نیلگوں چوٹیوں پر آنکھ مچولی کھیلتی مسکراہٹوں کی گم شدہ جنت یا مہاجر دوشیزہ کی جو دل کے کہنے پر مصائب کی شدت سے ہی جڑی ہوتی ہے لیکن تاثر یوں بنتا ہے کہ کہانی کار نے ان حقیقتوں، المیوں کو کس لہجے میں پرو یا ہے۔

محمد عالم خاں

محمد عالم خان کے افسانوں کی کتاب "غلام جسموں کا نوحہ" میں کل سترہ افسانے ہیں،انھوں نے اپنے افسانوں میں مکالموں کو بہت خوبصورت انداز میں سجایا ہے،وہ کئی افسانوں میں محض مکالموں کی تکنیک سے کام لیے ہوئے ایک مکمل اور جاندار افسانہ تخلیق کرتے ہیں،ان کے افسانوں میں مکالمے ان کے کرداروں کی نفسیات اور رویوں کی عکاسی کرتے ہیں۔معاشرتی برائیوں میں بھوک سب سے بڑی برائی ہے جو انسان پر بے حسی طاری کر کے اسے خود غرض بنا دیتی ہے،وہ انسان کے کردار کو پسماندگی بخشتی ہے جیسے انسانوں کے ہاتھوں روزی چھین لینے کے درپے ہو جاتا ہے۔ان افسانوں میں محمد عالم خاں نے اپنی ذاتی زندگی کی مختلف پرتوں اور رنگوں کو ایک مسلسل کہانی کی شکل میں بیان کرتے ہوئے اسے ایک مسلسل سفر سے تشبیہ دی ہے کہ دونوں کے درمیان کسی فرق کو قائم رکھنا ممکن نہیں ہے جسے عالم خان نے مختلف منازل کو مختلف مناظر کے سنگ پینٹ کیا ہے لیکن جوں جوں بچپن کے لمحے گزرتے ہیں اس کی شخصیت کے ریزہ ریزہ ہونے کا مرحلہ وجود پذیر ہوتا ہے۔

محمد عالم خان کے افسانوں میں پلاٹ کی تعمیر و تشکیل بہت خوب صورتی سے کی گئی ہے،ان کے ہاں واقعات کی ترتیب اس انداز سے ملتی ہے کہ دلچسپی کا عنصر برقرار رہتا ہے،ان کے پاس کہانی کہنے کا فن موجود ہے،اان کے افسانوں کی کہانی ایک ندی کا سا بہاو ہے جو اس بہاوٖ میں اس کے ساتھ بہتی چلی جاتی ہے،اس بہاو میں کہانی آگے پیچھے ہونے کے باوجود اول و آخر ایک ساتھ رہتی ہے اور ان کا رجحان ساز اسلوب اس کہانی کو لازوال بنا دیتا ہے۔وہ کہانی کو بغیر کسی ابہام کے ارتقاکی منازل طے کرواتے ہیں کہ ان کی کہانیوں کے پلاٹ میں منظم ربط قائم رہتا ہے۔محمد عالم خان نے اپنے تمام افسانوں میں لوٹ کھسوٹ، دھوکہ، چال بازی اور خونریزی کی مکروہ شکلیں دکھائی ہیں۔ظلم واستحصال کے معاشروں میں جس طرح امن پسند، صلح جو اور سادہ عوام کو لوٹ کر ان کی زندگی برباد کی جاتی ہے کا تذکرہ ان کے افسانوں میں ہے۔

نکہت مرزا

نکہت مرزا کے ہاں گہرا احساس اور شعور ملتا ہے۔وہ معاملات کو باریک بینی سے دیکھتے ہوئے تہہ تک پہنچ جاتی ہیں،انھوں نے معاشرے کے کئی بدصورت اور مکروہ چہروں کو اپنے کردار بنایا ہے جو عورتوں پر ظلم و جبر کرتے ہیں، نکہت مرزا مجبور اور بے بس انسان کے حالات و واقعات کو بڑی خوبی سے پیش کرتی ہیں،ان کے افسانوں کے آغاز اور اختتام دونوں واضح ہوتے ہیں، کہیں بھی ابہام نہیں پایا جاتا۔"پیاسی چڑیا" میں وہ عورت کی شادی نہ ہونے پر اس کی ذہنی حالت کو بیان کرتی ہیں،بناوٹی زندگی کے مقابلے میں فطرت کو پسند کرتی ہیں،وہ معاشرے کے مسائل اور نئے نئے جنم لیتے ہوئے المیوں کو موضوع بناتی ہیں،ان کے افسانوں کا غالب موضوع عورت ہی ہے جس کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں اور ظلم و ستم کو وہ گہرے دکھ کے ساتھ بیان کرتی ہیں۔

بتول فاطمہ

بتول فاطمہ کے افسانے محبت اور تلخی و سنگینی دونوں کے امتزاج کا مجموعہ ہیں،ان کے کردار حقیقی زندگی سے تو تعلق رکھتے ہیں مگر وہ باحوصلہ کردار پیش نہیں کرتیں بلکہ خیالوں کی دنیا میں رہنے والے لوگ ان کے کردار ہیں۔ان کے ہاں مطالعہ زیادہ گہرا نہیں ہے،وہ مڈل کلاس کی کم پڑھی لکھی لڑکیوں کے جذبات کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں۔"ادھورے سفر" ان کا پہلا مجموعہ ہے،ان کہانیوں میں محبت، نفرت، وفا، جفا، ایثار و خلوص، خود غرضی اور ناپسندی سب کچھ ملتا ہے،ان کی سیدھی سادی کہانیاں بھی بھرپور تاثر پیش کرتی ہیں کیونکہ وہ حقیقی زندگی کے مسائل کو پیش کرتی یں۔عزیز انجم حیدر ان کی کہانیوں کو عام طرز کی کہانیاں قرار دینے کے ساتھ ساتھ خاص بات یہ لکھتی ہیں

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کہ ان کی تحریروں میں مشرق کی حیاوپاک بازی بھی شامل ہے۔"اک اجنبی جو غیر تھا"، "سودائی"، "بازی"، "آلوٹ کے آجامیرے میت" اور "توکیا یہ طے ہے" میں ہمیں ان کے خیالات کی عکاسی ملتی ہے۔ مجموعی طور پر "ادھورے سفر" افسانوں کا ایسا مجموعہ نہیں ہے جسے سرسری پڑھااور اس پر رسمی بات کی جائے،ان کہانیوں میں زندگی کے بہت سے نظریاتی اور فطری پہلواور مباحث سمٹ کر آئے ہیں،معاشرت کی رنگارنگ تصویریں، فن اور اسالیب کے متنوع رنگ شامل ہیں زبان عمدہ اور معیاری ہے۔

کنیز اسحاق

جب تہذیبِ اقدارحسنہ کا عمل تشویش ناک حدتک تیزتر ہوجائے تو پھر رباط قلب ونظر میں ایسے ہی تخلیقی جوہر پڑا وَ کیا کرتے ہیں جن کا عکس کنیز اسحاق کے افسانوں میں دکھائی دیتاہے۔۔۔۔۔کنیز اسحاق نے اس کتاب میں جو چرخہ پونی کی ہے اور فکروخیال کے اٹیرن پر سوت کی جواٹی تیار کی ہے اسے انھی ٹوٹی بکھری قدروں کو پھر سے اس سوت مالا میں پرونے کی خواہش سے تعبیر کیا جاسکتاہے،ان کے افسانوں کا مجموعہ "ادھورے خواب" میں دوسری خواتین افسانہ نگار کی طرح محض رومانیت نہیں پائی جاتی بلکہ ان کے ہاں موضوعات کا تنوع ملتاہے،وہ مختصر کہانیوں کے ذریعے معاشرے کی حقیقت اور مسائل کو بیان کرتی ہیں مگر یہ اختصار ان کی کہانیوں میں تشنگی کا احساس پیدا کرتاہے جو وہ کہنا چاہتی ہیں اس مختصر کہانی میں کہہ دیتی ہیں۔

کنیز اسحاق کے ادھورے خوابوں میں نسائیانہ جبلی رومان پرستی کے بجائے روحانی ومادی عوامل کے کریہہ المنظر تصادم کے نتیجہ کے طور پر جنم لینے والا بلند آہنگ احتجاج اضملال ہے۔ادھورے خواب میں شامل کہانیوں کا موضوع سماج میں بکھری ہوئی وہ ان گنت سچائیاں ہیں جنھیں صدیوں سے لکھاپڑھااور سنایا جارہاہے۔کنیز اسحاق کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے ان کہانیوں کو بڑے سلیقے اور فنکارانہ چابکدستی سے الفاظ کا روپ دیاہے،انھوں نے ایک ماہر کیمرہ مین کی طرح معاشرے کی جو تصویریں پیش کی ہیں ان میں زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں اور بدنمائیوں کے ساتھ دھڑکتی دکھائی دیتی ہے۔ان کہانیوں کے کردار میں ہمیں اردگرد سانس لیتے محسوس ہوتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ ہم اکثر ان سے نظریں چرائے رہتے ہیں،ان میں سوچنے والے ذہنوں کے لیے الجھنے اور محسوس کرنے کے لیے بہت کچھ ہے۔

طاہرہ اقبال

طاہرہ اقبال ان افسانہ نگاروں میں سے ہیں جنھوں نے افسانوں کو داستان اور لوک کہانی سے علاحدہ ایک تشخص دیا،بدلتے ہوئے زمانے کی کروٹوں کو جزوافسانہ کیا،ان افسانوں میں انھوں نے صنف نازک کی ان محرومیوں کا کو بھی افسانہ کر دیاہے جو انسانی بستی کے تہذیبی رویوں نے ان کے دامن میں ڈال دی ہیں۔طاہرہ اقبال دوسری خواتین افسانہ نگاروں کی طرح عورت کے بے شمار رنگ روپ پیش کرتی ہیں۔"سنگ بستہ" طاہرہ اقبال کے پندرہ افسانوں پر مشتمل پھیلی ہوئی ایک ایسی ادبی تخلیق ہے جس کی ہر کہانی کی اٹھان ترقی پسندی کی غمازی کرتی دکھائی دیتی ہے۔ہر افسانہ ایک دوسرے سے جدا کہانی اور واقعات بیان کرتا ہوا دکھائی دیتاہے جس میں نظام کے جبر کو اجاگر کیا گیاہے ۔طاہرہ اقبال کے افسانوں کے کردار اندھیرے کی دہلیز کو یوں پار کرتے ہیں جو ایک انقلابی کی صفت اور وطیرہ ہوتاہے جو حقیقت کے قریب دکھائی دیتے ہیں، کسی تخلیق کار کی یہ بڑی خوبی ہوتی ہے

طاہرہ اقبال کا اسلوب بیان اپناہے جو بڑی تیزی کے ساتھ واقعات نگاری کرتاہے لیکن تیزی کے باوجود کسی بھی کہانی میں مشاہدہ کی کمزوری دکھائی نہیں دیتی۔ان کی کہانیوں میں ضعیف الاعتقادی کو جس چابک دستی کے ساتھ بیان کیا گیاہے،اس پیر پرست معاشرے کے نقاب کو الٹانے کے مترادف ہے۔ایک عورت ہونے کے ناتے طاہرہ اقبال کا پیروں اور اپنے اوپر پراسراریت کی چادر ڈالنے والوں کو بے نقاب کرنا ایک باغی اور نڈر لڑکی کی تصویر کو اجاگر کرتاہے۔ گویا وہ ایک ایسی قلم کار ہیں جو اپنے ماحول کو عمودی طور پر بھی دیکھتی ہیں اور افقی طور پر بھی اس کا احاطہ کرتی ہیں۔

صفیہ حیات

صفیہ صابری مختلف ادبی سماجی اداروں سے وابستہ ہیں،سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک بالغ نظر کالم نگار،شاعرہ اور افسانہ نگار ہیں۔ان کا یہ فنی سفر لگ بھگ دو دہائیوں کو محیط ہے،وہ اپنی تخلیق کا مواد اپنے ماحول، سماجی رویے، بنتے مٹتے مناظر، اخلاقیات اور فرد کو درپیش بعض سلگتے ہوئے مسائل سے اخذ کرتی ہیں،اس سلسلے ان کا سماجی شعور اور تخلیقی صلاحیت ان کے کام کو آگے بڑھانے میں ممدومعاون ثابت ثابت ہوتی ہے، کسی بھی چھوٹے سے واقع، تاثر اور مشاہدے سے وہ ایک بڑی تصویر بنانے کا ہنر جانتی ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان کی باریک بینی، جزئیات نگاری ایک الگ خوبی ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"مٹی کا دکھ" دراصل زندہ انسانوں کی ہانیاں ہیں، انسان جو مٹی سے تخلیق کیا گیا وہ دنیا میں کن دکھوں سے دوچار ہے اور اس کے کیا کیا مسائل ہیں، صفیہ حیات ایک عورت ہیں اور انھوں نے عورتوں کے مسائل کو بڑی خوبصورتی سے اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔ انھوں نے ایک بیوی، بہن، ماں اور بیٹی کے دکھ کو ایسے محسوس کیا ہے جیسے وہ اس کردار کی جگہ خود کھڑی ہوں اور وہ اپنا قلم کسی اور کے لیے نہیں بلکہ اپنے آپ پر چلا رہی ہوں اور یوں جس کہانی نے جنم لیا وہ دل سے اٹھتی ہوئی محسوس ہوئی جو کردار انھوں نے پیش کیا وہ ہمیں معاشرے کا زندہ کردار لگا اور جس محرومی کا انھوں نے ذکر کیا وہ اپنے اندر کی محرومی دکھائی دی، یہی ان کے لکھنے کی خوبصورتی ہے اور یہی ان کا فن ہے کہ انھوں نے بہترین افسانے تخلیق کیے اور ان کا مشاہدہ ہمیں ان کے افسانوں اور کرداروں میں دکھائی دیتا ہے۔

فیصل آباد میں افسانوی ادب کے حوالے سے جو افسانے لکھے گئے ان کے موضوعات بالعموم معاشرتی زندگی کی اس طرح ترجمانی کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ ان سے قارئین کے فکر و خیال کو مہمیز کرنے سے مدد ملی۔ فیصل آباد میں افسانہ نگاروں نے تخیقِا فن کے لمحوں میں خون بن کر رگِ سنگ میں اُترنے کی مقدور بھر سعی کی ہے۔ یہاں کے افسانہ نگاروں کے افسانوں میں پائی جانے والی دروں بینی جہاں احتسابِ ذات کی مظہر ہے وہاں اس کے معجز نما اثرا ت زندگی کی تاب و تواں کو حقیقی سمت عطا کرنے میں مدد بھی ملی۔ ان افسانہ نگاروں نے انسانیت کے وقار و سربلندی، جمود کے خاتمے، معاشرتی زندگی کے تضادات کو دور کرنے، قارئین کی ذہنی بیداری اور جبر کے خلاف اپنی توجہ مرکوز رکھی۔ ان افسانہ نگاروں کے افسانوں میں سماجی برائیوں، جہالت، پسماندگی، غربت و افلاس، دہشت گردی اور لوٹ مار کے خلاف نفرت کا اظہار قاری کے لیے حوصلے اور سکون قلب کا ذریعہ بنے۔

حوالہ جات

۱۔ ریاض مجید، ڈاکٹر، نئی آوازیں، فیصل آباد: ادارہ قرطاس، ۱۹۷۲ء، ص:۵
۲۔ انوار احمد، ڈاکٹر، دیباچہ، ادھوری تحریر، از اخلاق حیدر آبادی، شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد: ۲۰۱۰ء، ص: ۹
۳۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، دیباچہ مشمولہ آگ، گلزار ملک، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۰۶ء، ص:۱۷
۴۔ اشفاق بخاری، پروفیسر، ندیم باری کا فن، مشمولہ: وفا کی خوشبو، لائل پور: اوج پبلشرز، ۱۹۷۵ء، ص:۱۲۵
۵۔ علی اختر، تیرا دھیان رہتا ہے، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء، ص:۳۴
۶۔ اجمل نیازی، ڈاکٹر، فلیپ، مہ نورد، دہلی: نند کشور و کرم، ۲۰۰۰ء
۷۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، دھند کے نقوش، پیش لفظ، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص:۹
۸۔ اصغر ندیم، سید، تعارف، شاہ بلوط کا خشک پتا، فیصل آباد: ۲۰۰۱ء، ص:۱۱